POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 17-18 May 2024, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN (Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 85 واں سال

Date of Publication: 16-05-2024 • Price: 5/- • 22-28 May 2024 • Issue: 20 • Vol:83

۲۲تا۲۸ مئی ۲۰۲۴ء • شمارہ: ۲۰ • جلد: ۸۳

اُردو زبان و ادب کا سیکولر مزاج

عارف عزیز

اردو ہندستان کے سیکولر مزاج، مشترکہ تہذیب اور اخوت و محبت کی زبان ہے، جس کی نشو و نما دیگر جدید ہند آریائی زبانوں کے ساتھ ہوئی۔ اردو صدیوں پر محیط اسی مشترکہ کلچر کی پیداوار اور ذریعۂ اظہار ہے، جس نے مذہبی و لسانی امتیازات سے بلند ہو کر کثرت میں وحدت کے تصور کو پیش کیا۔ اس کا مزاج سیکولر، وصف ہمہ رنگی اور کردار ہندستانی ہے جو رنگ، نسل کی تفریق سے پاک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی دوسری زبان اردو کی طرح قومی ہم آہنگی کی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس کی ساخت، بناوٹ، جملوں کی تشکیل، صرف و نحو کی بیشتر خصوصیات ہندستانی ہیں، البتہ تذکیر و تانیث اور بیس سے پچیس فیصد اپنا سرمایہ اس نے عربی و فارسی سے لیا ہے لیکن اس میں بے شمار الفاظ دیگر زبانوں کے بھی ایسے گھل مل گئے اور شیر و شکر ہو گئے ہیں کہ ان کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف علاقوں کے باشندے اور الگ الگ رسم و رواج سے تعلق رکھنے والے اس زبان کو بولتے، لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ اس زبان نے کبھی فرقہ پرستی کو نہ راہ دی، نہ قومیت اور قومی یک جہتی کے خلاف جھنڈا اٹھایا۔ اردو نے اپنا رسم خط ضرور فارسی سے لیا لیکن ایسی کایا پلٹ کر دی کہ اس کا ایک صفحہ تو کیا ایک پیراگراف بھی کوئی عرب یا ایرانی صحیح تلفظ کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا۔ اردو کی بنیادی لفظیات سب کی سب وہی ہیں جو ہندی کی ہیں یعنی اردو کا پچہتر فیصد سرمایہ یکساں ہے جو ہندستان کی جڑوں سے آیا ہے۔ اسی لیے یہ صدیوں سے مختلف مذہبوں، ملتوں، فرقوں اور برادریوں میں رابطے کے پل کا کام کر رہی ہے۔

ہر زبان ترسیلی ہوتی ہے جو اپنی ذات سے اچھی یا بری نہیں ہوتی۔ یہ اس کے استعمال کرنے والوں پر منحصر ہے کہ وہ زبان سے دلوں کے جوڑنے کا کام کرتے ہیں یا توڑنے کا۔ اردو کی صدیوں پر مشتمل روایت میل جول، بھائی چارہ، اتحاد اور سیکولر مزاج کی رہی ہے، تعصب و تنگ نظری کی نہیں۔ اس زبان کا پیغام محبت، آشتی اور انسانیت کا رہا ہے، یہ وہی پیغام ہے جو سنت کبیر، گرو نانک، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور دیگر صوفی و سنتوں نے دیا ہے اور جس نے پورے برصغیر میں بکھری ہوئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جوڑ کر ایسا ہندستان بنایا، جس کی مثال تاریخ میں اس سے پہلے نہ بعد میں نظر آتی ہے۔ اس کا نام بھی گلستان و بوستان کے وزن پر ہندستان قرار پایا ہے۔

ایسی زبان جس کے خمیر سے ہندستان کی مٹی کی خوشبو آتی ہو، کسی ایک طبقے یا علاقے کی زبان کیسے ہو سکتی ہے۔ اس کا تاریخی عمل گواہی دیتا ہے کہ اردو ایک زبان نہیں، ایک ثقافت، ایک تہذیب، ایک طرز زندگی کا نام ہے جو ملک کے مختلف طبقوں اور گروہوں کے اشتراک سے وجود میں آئی ہے۔ پروفیسر تارا چند رستوگی نے اردو کے اس بین قومی کردار اور سیکولر مزاج کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے:

"مسلم ذہن، ہندوانہ رنگ و روپ قبول کرنے لگا اور اس نے فارسی و ترکی کی جگہ مقامی زبانوں کو سیکھا اور استعمال کرنا شروع کیا، ہندوؤں نے عربی، فارسی اور ترکی الفاظ کو مقامی محاوروں میں جگہ دی۔ اس لین دین کا منافع ہماری تہذیب کے خزانے میں اردو زبان کی شکل میں شامل ہوا۔"

اردو زبان کا یہ بھی قابل غور پہلو ہے کہ وہ کشمیر سے کنیا کماری اور بنگال سے پنجاب تک رابطے کی زبان کے طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے اور پچہتر فیصد ہندستانیوں کے دلوں کی دھڑکن بنی ہوئی ہے، حالانکہ کہ بجز کشمیر اس کی کوئی ریاست نہیں، پھر بھی ہر ریاست میں کم و بیش استعمال ہوتی ہے۔ دنیا کی سب سے زیادہ بولی جانے والی زبانوں میں اس کا شمار تیسرے نمبر پر ہوتا ہے۔ یہ دنیا کے ساٹھ ملین سے زیادہ لوگوں کی مادری زبان ہے، یعنی دنیا کی آبادی میں 4.7 فیصد انسان اس زبان کو بولتے ہیں۔ جنوبی ایشیا کے متعدد ممالک ایسے ہیں جہاں اردو زبان بولنے والوں کی خاصی تعداد ہے، جس میں بنگلہ دیش، نیپال اور افغانستان شامل ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں بھی اس زبان کا سکہ چل رہا ہے۔ اس کو اردو کہیں یا ہندستانی یا اس پر ہندی کا لیبل چسپاں کر دیں، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہی وہ واحد زبان ہے جس نے ہندستانیوں میں سیاسی شعور پیدا کیا اور جد و جہد آزادی میں پیش رو کی حیثیت سے حصہ لیا۔ اس زبان نے قوم کو جو ترانۂ ہندی دیا ہے، وہ آج بھی سلوگن کے طور پر گلی کوچوں میں، جلسے، جلوسوں میں، کالجوں اور اسکولوں میں گایا جاتا ہے۔ اس زبان میں رام اور کرشن کے گیت بھی ہیں اور گرونانک کا پیغام بھی ہے۔ اس زبان میں جذب کرنے کا رجحان اس قدر ہے کہ اس نے ملکی اور غیر ملکی زبانوں کے بے شمار الفاظ کو جوں کا توں قبول کر لیا یا اپنے مزاج کے مطابق ڈھال لیا ہے۔ اس کی صوتیات میں اتنی گنجائش ہے کہ وہ دوسری زبانوں کے الفاظ کو آسانی جذب کر لیتی ہے لیکن اپنی انفرادیت پر حرف آنے نہیں دیتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ ہندستانی تہذیب نے مختلف فاتح قوموں کے تہذیبی اثرات کو قبول کرنے کے باوجود اپنی انفرادیت برقرار رکھی ہے۔

اردو زبان و ادب کی تاریخ کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نثر ہو یا نظم اردو کا سیکولر مزاج ہر جگہ جھلکتا ہے۔ بنیادی طور پر اس کی لسانی خصوصیات ہندستانی ہیں۔ اس نے عرب و عجم سے تعلق رکھنے والی اصناف اور موضوعات کو بھی ہندستانی رنگ میں پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر صنف مرثیہ کے تمام تر موضوعات واقعات کربلا سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کو ہندستانی رنگ و آہنگ دے کر نظم کیا گیا ہے اور اس صنف کے ارتقا میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم شعرا کا بھی ناقابل فراموش حصہ ہے۔ اردو میں ہر مذہب کی کتابیں اور تراجم کثرت سے موجود ہیں خاص طور پر اسلام اور ہندو مذہب کا تو کثیر لٹریچر جمع ہو گیا ہے۔ اسی طرح ہندو مذہب کی عظیم کتابیں راماین، مہابھارت اور گیتا کے سیکڑوں تراجم موجود ہیں۔ صرف راماین کے بارے میں دعویٰ ہے کہ اس کے کم و بیش تین سو ترجمے اردو زبان میں ہوئے ہیں، نثر میں اور نظم میں بھی۔ اسی طرح مہابھارت کے کافی ترجمے موجود ہیں اور اٹھارہ کے قریب گیتا کے ترجمے ہیں۔ ڈاکٹر محمد انصار اللہ کی تحقیق کے مطابق چھوٹی بڑی تین ہزار کتابیں ہندو مذہب و فلسفے کے بارے میں اردو میں لکھی گئیں، جن میں وید، اپنشد اور دیگر مذہبی کتب شامل ہیں۔ اسی طرح اردو کے سماجی و ثقافتی ورثے میں وہ گیت بھی شامل ہیں

(باقی صفحہ ۲ پر)

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

خراجِ عقیدت

یک از ماہرینِ اقبالیات: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

رؤف خیر

الحمد للہ حیدرآباد دکن جیسی مردم خیز سرزمین سے وابستہ ہونے کی وجہ سے علم و ادب کی کئی مایہ ناز شخصیات کو دیکھنے اور ان کے فکر و فن کا راست مشاہدہ کرنے کے زریں مواقع نصیب ہوتے رہے ہیں۔ ہم محلہ پنج بھائی دوکانداران میں رہتے تھے جہاں ایک عاشور خانہ تھا جس میں علم بٹھائے جاتے تھے۔ ہر سال محرم میں میر عثمان علی خاں نظام سابع ماتم کرنے کے لیے تشریف لاتے تھے۔ ہم بچے سڑک کی دونوں جانب قطار میں کھڑے بادشاہ کا استقبال کرتے تھے اور انھیں ماتم کرتے دیکھتے بھی تھے۔ یہ بچپن ہی کی بات ہے۔

حدیث کی مستند و معتبر ترین کتاب صحیح بخاری کا ترجمہ کرنے والے محترم المقام مولانا داؤد راز صاحب کو دیکھا اسی طرح مولانا عبدالسلام بستوی اسلامی تعلیمی نصاب کے مرتب کی جامع تقریر بھی سنی۔ حیدرآباد میں قرآن و سنت کے علم بردار بے تاج عالم بے بدل مولانا ابو تمیم فہمی کے قریبی دوستوں میں ہونے کی وجہ سے والد محترم محمد ابوبکر صاحب بھی مذہبی شخصیات سے استفادے میں پیش پیش رہتے تھے اور مجھے ساتھ رکھتے تھے جب میں دس بارہ سال کی عمر کا تھا۔

مذہب کے ساتھ ساتھ مجھے شعر و ادب سے بھی شغف رہا ہے۔ چنانچہ مخدوم محی الدین، سلیمان اریب، خورشید احمد جامی اور عزیز احمد تاب جیسے بے مثال شاعروں کو مشاعرے لوٹتے بھی دیکھا بلکہ مخدوم کی صدارت میں مشاعرے خود بھی پڑھے۔ غالب صدی تقاریب کے سلسلے کے ایک مشاعرے میں 'نذرِ غالب' حاصلِ مشاعرہ 1969 میں صدرِ مشاعرہ مخدوم سے بہت داد بھی پائی۔ 1972 میں بی اے کا طالب علم تھا۔ پروفیسر مغنی تبسم، یونس تیغی، علی خاں ثاقب اور مصطفیٰ کمال وغیرہ نے اردو ہال حمایت نگر کے زیر اہتمام فتح میدان انڈور اسٹیڈیم میں کل ہند مشاعرہ فراق گورکھپوری کی صدارت میں منعقد کیا تھا جس میں جاں نثار اختر، ساحر، مجروح اور شاذ تمکنت شریک تھے۔ نوجوان شاعروں میں راقم رؤف خیر کو بھی کلام سنانے کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ عرض کرنا یہ ہے کہ حیدرآباد جیسے بڑے شہر کا باشندہ ہونے کی وجہ سے یہ سعادتیں مجھے مل گئیں۔ سروجنی نائیڈو کے مکان گولڈن تھریشولڈ نامی حیدرآباد میں قائم کردہ حیدرآباد یونیورسٹی میں تشریف لانے والے ڈاکٹر جمیل جالبی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اسی لیے میں نے کہا ہے:

فیض و فراق یعنی کرشن چندر اور فراق
میں مل چکا ہوں ایسی کئی شخصیات سے

اتنی لمبی تمہید باندھنے کا مقصد یہ ہے کہ اپریل 1986 میں منعقدہ عالمی اقبال کانفرنس میں ہند و پاک کے جو ماہرینِ اقبالیات تشریف لائے تھے یعنی آل احمد سرور، جگن ناتھ آزاد، شمس الرحمن فاروقی، عبدالحق اور سردار جعفری وغیرہ انہی میں محترم رفیع الدین ہاشمی اور تحسین فراقی بھی ساتھ تھے۔ دوسرے دن کے اخبارات میں آل احمد سرور کا یہ ارشاد کہ "اگر سرسید نہ ہوتے تو اقبال بھی نہ ہوتے" شہ سرخی کی صورت جلوہ گر تھا۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے علمی کارناموں سے ہم اس وقت تک واقف ہی نہیں تھے آج احساس ہوتا ہے کہ کیسی علمی قد آور شخصیت کے دیدار کا شرف ہمیں حاصل ہوا تھا۔ اس عالمی اقبال کانفرنس کی رپورتاژ ڈاکٹر یوسف کمال نے روزنامہ 'سیاست' میں، جناب مظفر مجاز نے روزنامہ 'منصف' میں تین تین قسطوں میں لکھی تھی مگر ناچیز رؤف خیر کی لکھی ہوئی طویل رپورتاژ روزنامہ 'رہنمائے دکن' میں ایک ہی قسط میں شائع ہوئی تھی۔

یکم اپریل 1942 کو مسریال ضلع چکوال، سرگودھا، پنجاب میں پیدا ہونے والے اور بیاسی برس کی عمر پاکر 25 جنوری 2024 کو ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے دنیا سے گزر جانے پر معلوم ہوا کہ ادبی دنیا کا کتنا بڑا نقصان ہوا۔ خاص طور پر اقبالیات کے سلسلے میں جو کارنامے ڈاکٹر ہاشمی نے انجام دیے وہ اقبال کے ساتھ ساتھ خود ان کو زندہ رکھنے میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔ وہ اقبال کے غالی معتقد تھے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے شاگرد رشید ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم نے ایک ہزار صفحات پر مشتمل 'چند ہم عصر اقبال شناس' نامی اپنی کتاب میں ایک سو پانچ اقبال شناسوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے جن میں صرف آٹھ اقبال شناس انڈیا کے ہیں، باقی 97 پاکستان ہی کے ہیں۔ پروفیسر عبدالحق، طیب حنفی، شمس الرحمن فاروقی، قاضی عبیدالرحمن ہاشمی، گوپی چند نارنگ، پروفیسر بشیر احمد نحوی، ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی اور ڈاکٹر رؤف خیر۔ مجھے خوشی ہے کہ اس کتاب میں میری کاوش اقبال 'چشم خیر' (مطبوعہ 2017) کا تفصیلی تعارف دیا گیا ہے۔ اس میں شامل میرے تمام 16 مضامین کی صراحت کی گئی ہے۔ علامہ اقبال کے 'پیام مشرق' میں شامل ایک سو تریسٹھ قطعات 'لالۂ طور' کا میں نے منظوم ترجمہ کیا ہے جو 2001 میں 'قطعاتِ' کے نام سے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سے شائع ہوا تھا۔ میری تمام تنقیدی کتابوں اور شعری مجموعوں کا تعارف بھی 'چند ہم عصر اقبال شناس' میں شامل ہے۔ یہ اہم کتاب میرے کرم فرما پروفیسر غازی علم الدین نے مجھے بھجوائی تھی جو آج بھی میری لائبریری کی زینت ہے۔

'چند ہم عصر اقبال شناس' علامہ اقبال کی 80ویں برسی کے موقع پر 21 اپریل 2018 کو منظر عام پر آئی اور ان کے شاگرد ڈاکٹر تبسم نے اپنے استاد محترم ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے زریں مشوروں سے یہ کارنامہ انجام دیا۔ ڈاکٹر ہارون الرشید کی یہ معرکہ آرا کتاب پاکستان ادب اکادمی، علامہ اقبال کالونی سرگودھا کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔ ماہرینِ اقبالیات سے راست رابطہ کرکے اور ان کی کتابیں سامنے رکھ کر ڈاکٹر تبسم نے یہ کتاب ترتیب دی ہے۔ اس لیے اس میں پیش کردہ معلومات مستند و معتبر قرار پاتی ہیں۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ رفیع الدین ہاشمی کے دادا میاں عالم شاہ نے معروف مترجم قرآن حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی کے نام نامی پر ان کا نام رفیع الدین رکھا۔ ابھی یہ چار سال ہی کے ہوئے تھے کہ ماں کا انتقال ہوگیا۔ بچپن میں انھوں نے قرآن مجید حفظ کیا۔ رفیع الدین ہاشمی کی تعلیم کا جدول کچھ اس طرح بنتا ہے:

پرائمری تعلیم : ماڈرن پبلک اسکول، سرگودھا
میٹرک : انبالہ مسلم ہائی اسکول سرگودھا۔ 1954، درجہ اول میں کامیاب
ایف اے : گورنمنٹ کالج، سرگودھا، 1960
بی اے : پرائیویٹ طور پر درجہ دوم میں کامیاب کیا
ایم اے : اورینٹل کالج سرگودھا 1965
پی ایچ ڈی : موضوع 'تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ' 1980
(مقالے کے نگراں ڈاکٹر وحید قریشی)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی ملازمتوں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

1969 : لیکچرر انبالہ مسلم کالج سرگودھا
1970 : پبلک سروس کمیشن کے ذریعے لیکچرر منتخب ہو کر گورنمنٹ کالج مری میں تقرر
1978 : پنجاب پبلک سروس کمیشن سے لیکچرر منتخب ہونے پر گورنمنٹ کالج سرگودھا میں اسسٹنٹ پروفیسر مقرر
1980 : سرگودھا کو خیرباد کہہ کر گورنمنٹ کالج لاہور میں تقرر
1982 : اورینٹل کالج لاہور میں 31 مارچ 2002 تک پروفیسر رہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی نگرانی میں ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کرنے والے ان کے شاگرد بے شمار ہیں۔ شعر و ادب میں اپنی پہچان بنانے والے بعض شاگرد بجائے خود ماہرینِ اقبالیات ہیں جیسے پروفیسر صابر کلوروی، ڈاکٹر ایوب صابر، ڈاکٹر زاہد منیر عامر، ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم، ڈاکٹر رؤف امیر، ڈاکٹر گوہر نوشاہی، ڈاکٹر خورشید رضوی اور مشہور و معروف طنز و مزاح و انشائیہ کے جانے پہچانے قلم کار اشفاق احمد ورک وغیرہ وغیرہ۔

'اردو املا' کے ماہر، کئی کتابوں کے محقق و مدون رشید حسن خان صاحب چاہتے تھے کہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے ساتھ مل کر کلام اقبال کی بھی سائنٹفک تدوین کریں مگر اس معاملے میں دونوں حضرات کی اپنی اپنی مصروفیات کی وجہ سے کچھ پیش رفت نہ ہوسکی۔ علامہ اقبال کی زندگی میں شائع ہونے والی اردو و فارسی کلیات اقبال اور ان کے گزر جانے کے بعد جاوید اقبال اور اقبال اکادمی پاکستان کے الگ الگ شائع کردہ تمام کلیات کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے ان میں در آئی بعض کوتاہیوں کا ذکر کرتے ہوئے 'کلام اقبال کی تدوین' کے عنوان کے تحت جناب رشید حسن خان نے بڑا جامع مضمون لکھ کر اصول تدوین کے لحاظ سے علامہ اقبال کے فارسی اردو کلیات کے تحقیقی ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ (ملاحظہ ہو مضمون 'کلام اقبال کی تدوین'، مقالات رشید حسن خان، جلد سوم، اشاعت جنوری 2024، مرتبہ ڈاکٹر ٹی آر رینا۔)

بنیادی طور پر رفیع الدین ہاشمی درس و تدریس سے وابستہ تھے۔ طلبہ و طالبات کی سہولت کی خاطر انھوں نے علامہ اقبال کی دس طویل نظموں کی شرح کی تاکہ نصابی ضرورت کی تکمیل بھی ہو جائے اور تفہیم اقبال کا حق بھی ادا ہو جائے۔ خضر راہ، ذوق و شوق، والدہ مرحومہ کی یاد میں، مسجد قرطبہ، ابلیس کی مجلس شوریٰ، ساقی نامہ وغیرہ۔ ان دس طویل نظموں کا پس منظر، مرکزی آہنگ، زبان و بیان پر اقبال کی دسترس کا فنی جائزہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے پیش کرکے اپنی علمیت اور زبان دانی کا ثبوت بھی دیا۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے ہمیشہ اقبال کے فکر و فن کے مثبت

پہلوؤں پر نظر رکھی۔ اقبال کے تصوف و تشیخ سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔ اسرار خودی و رموز بے خودی کے حوالے سے اقبال جس طرح معرض بحث میں رہے ہاشمی صاحب نے اس میں الجھنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ یہی رویہ انھوں نے ابو الاعلیٰ مودودی کے سلسلے میں بھی اپنایا۔ امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور کاتب وحی حضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما کی شان میں جو کچھ مودودی صاحب نے 'خلافت و ملوکیت' میں لکھا، گو کہ اس کا رد جسٹس مولانا تقی عثمانی، مولانا صلاح الدین یوسف اور مولانا خلیل عالم صدیقی لکھتے ہی کرتے رہے مگر ہاشمی صاحب کی مودودی صاحب سے عقیدت میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے

اقبال صدی تقاریب کے موقع پر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے 1976 میں ایک مجموعہ ایک سو گیارہ خطوط پر مشتمل مرتب کیا جو اقبال نے مختلف مشاہیر کو لکھے تھے۔ اقبال کے خطوط کا یہ مجموعہ خیابان ادب، لاہور نے 1977 میں شائع کیا تھا۔ ہاشمی صاحب کی اجازت کے بغیر بیسویں صدی پبلی کیشنز دہلی نے اس کا ایک عکسی اڈیشن 1977 میں دہلی سے چھاپ لیا اور 375 صفحات کے مجموعے کی قیمت چالیس روپے رکھی تھی۔

اسی سال اقبال صدی تقاریب کے سلسلے میں ڈاکٹر ہاشمی نے 'اقبال بہ حیثیت شاعر' کتاب ترتیب دی۔ مقالات کا یہ مجموعہ پہلی بار مجلس ترقی ادب لاہور نے احمد ندیم قاسمی کی نگرانی میں 1976 شائع کیا جسے ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ نے 1982 اور 1996 میں دوسرا تیسرا اڈیشن شائع کیا۔ اس کا چوتھا اڈیشن ہاشمی صاحب کا نظر ثانی شدہ اڈیشن مجلس ترقی ادب، لاہور نے 2007 میں شائع کیا۔ 530 صفحات کے اس مجموعے کی قیمت دو سو روپے رکھی گئی۔

اقبال صدی تقاریب ہی کے سلسلے میں اقبال اکادمی، لاہور نے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی مرتبہ 'کتابیات اقبال' 1977 میں شائع کی۔ 392 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت صرف چالیس روپے تھی جو ریسرچ اسکالر کے کام کی تھی۔ یہ اقبال پر شائع ہونے والی کتابوں کی اس وقت تک کی مکمل فہرست تھی جو بڑی عرق ریزی سے ترتیب دی گئی تھی۔ ظاہر ہے اس کے بعد ہر سال اقبالیات کی یہ فہرست طویل سے طویل ہوتی گئی ہے کہ اب تک ہندو پاک میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جاتی رہی ہیں۔ یونیورسٹیوں کے اساتذہ بھی اقبال کے فکر و فن پر کچھ نہ کچھ لکھ کر فرض کفایہ ادا کرتے ہیں اور اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی مرتبہ 'منتخب کتابیات علامہ اقبال' پر تحریر کردہ کتابوں کی نشان دہی کے طور پر مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد نے 1992 میں شائع کی جو صرف اٹھاون (58) صفحات پر مشتمل ہے لیکن اقبالیات کے طلبہ و طالبات کے لیے کچھ سول کا درجہ رکھتی ہے۔

1990 میں 'پاکستانی ادب کے معمار' کے نام سے مونوگراف کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ جناب افتخار عارف کی فرمائش پر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے 282 صفحات پر مشتمل کتاب 'علامہ اقبال: شخصیت اور فن' لکھی جس میں اقبال کی زندگی کے حالات کے ساتھ ان کی سیاست اور شاعری کو بڑے سلیقے سے پیش کیا۔ یہ کتاب پہلی بار 2008 میں اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد کے زیر اہتمام شائع ہوئی تھی پھر اس کے دو اڈیشن 2010 اور 2016 میں منظر عام پر آئے۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی عرق ریزی کا شناس نامہ 'پاکستان میں اقبالیاتی ادب' بھی ہے جو 2009 میں منظر عام پر آیا جو صرف 60 صفحات پر ہے اور قیمت بھی صرف 60 روپے ہے جو قیام پاکستان کے بعد ساٹھ سال کے اقبالیاتی ادب کو محیط ہے۔

اس سے پہلے بھی ڈاکٹر ہاشمی کی اقبالیاتی ادب پر مشتمل کاوشیں 1985، 1986 اور 1988 میں شائع ہو چکی ہیں۔

'اقبال شناسی' جرنل ریسرچ بزم اقبال کے زیر اہتمام 1989 میں،

'اقبالیاتی جائزے' گلوب پبلشرز کے ذریعے 1990 میں،

'علامہ اقبال، سیر حجاز' بزم اقبال لاہور کے تحت 1994 میں۔

ڈاکٹر ہاشمی کی اقبال سے عقیدت کے روپ میں جلوہ گر ہوئے۔

اتنے سارے کارناموں کے پیش نظر ڈاکٹر خالد ندیم کا خیال ہے کہ اقبال اگر زندہ ہوتے تو ہاشمی صاحب کو 'بابائے اقبالیات' کا خطاب ضرور دیتے۔

اقبال صدی تقاریب کے موقع پر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے رسالہ 'نقوش' کے اقبال نمبر 1977 کے لیے 'حیات نامۂ اقبال' مرتب کیا تھا جسے Iqbal : A chronology of his life & works کے نام سے شعبۂ انگریزی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے ڈاکٹر ہاشمی کے حوالے کے بغیر شائع کر لیا۔ یہ حیات نامہ اسلامک فاؤنڈیشن، نئی دہلی نے 2000 میں بھی شائع کیا۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی مرتبہ کتاب 'اقبالیات کے سو سال' کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اب تک اس کے تین اڈیشن 2002، 2007 اور 2011 میں نکل چکے ہیں۔

اردو کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر ہاشمی کی کتابیں دیگر زبانوں میں بھی پیش کی گئیں جیسے:

— 'علامہ اقبال شخصیت اور فن' (سندھی ترجمہ، مترجم منظور علی ویسریو) اکادمی پاکستان، 2009۔

— 'علامہ اقبال شخصیت اور فن' (پشتو ترجمہ، مترجم محمد شفیق) اکادمی پاکستان، اسلام آباد، 2009۔

جہاں تک اقبال کی نثر کا تعلق ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے 26 مارچ 2022 کو 32 صفحات پر مشتمل اپنے اقبال میموریل لیکچر پنجاب یونیورسٹی میں اعتراف کیا کہ "اقبال کی نثری کتابیں بہت کم شائع ہونے کی نوبت آئی۔" ہمارا خیال ہے کہ اقبال نے نثر میں بہت کم لکھا۔ اقتصادیات پر کتاب لکھی۔ 'پیام مشرق' کا مبسوط پیش لفظ لکھا۔ مگر اردو میں اقبال کے بے شمار خطوط ہیں جن پر بہت کچھ لکھا گیا۔ تصوف کو اقبال اسلام کی سرزمین میں اجنبی پودا سمجھتے تھے اور تصوف کے خلاف کافی نوٹس جمع بھی کیے تھے۔ 1915 سے یہ نوٹس اشاعت کا منہ ہی دیکھتے رہ گئے تھے تا آں کہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ہی کے ایک شاگرد پروفیسر صابر کلوروی نے یہ نوٹس 'تاریخ تصوف' کے نام سے 1988 میں مکتبہ الحسنات دہلی سے شائع کروائے۔

اقبال کے 6 عدد انگریزی خطبات پر مشتمل Reconstruction of religious thoughts in Islam کے علاوہ قوم و ملت سے متعلق خطبۂ الہ آباد، خطبۂ لاہور اور خطبۂ علی گڑھ ہیں جنھیں ڈاکٹر محمد جہانگیر عالم نے شائع کیے۔ جو معرض بحث آتے رہے (یہ بھی انگریزی میں ہیں)۔ عطیہ فیضی کے نام اقبال کے خطوط بھی انگریزی ہی میں ہیں۔ اقبال کا تحقیقی مقالہ Metaphysic of Persia انگریزی میں ہے جسے 'فلسفۂ ایران' کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا گیا۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی مراسلت ہندو پاک کی قد آور شخصیات سے رہی جیسے جناب رشید حسن خان، مشفق خواجہ، (دہلی کے ایک صاحب سے وہ اپنی کتابیں اور خطوط اپنے دوستوں تک پہنچانے کا کام بھی لیا کرتے تھے)۔ ڈاکٹر ٹی آر رینا کی مرتبہ کتاب میں جناب رشید حسن خان کے کئی خطوط ڈاکٹر ہاشمی کے نام شامل ہیں۔ اسی طرح ادارۂ مطبوعات سلیمانی، لاہور نے 2008 میں کتاب 'مکاتیب مشفق خواجہ بہ نام رفیع الدین ہاشمی' شائع کی۔

ڈاکٹر ہاشمی نے اپنے اسفار کو اپنے سفرناموں کے ذریعے یادگار اور معلوماتی بنا دیا۔ 'پوشیدہ تری خاک میں' (سفرنامۂ اندلس) اور 'لندن کہ' لاہور نے 2002 میں شائع کیا۔ 'سورج کو ذرا دیکھ' (سفرنامۂ جاپان) کتاب سرائے لاہور نے 2007 میں چھاپا۔ ڈاکٹر ہاشمی کا ایک سفرنامہ 'لندن' ماہنامہ الحمرا، لاہور میں قسط وار 2019 تک لکھا ہے کا ہے شائع ہوتا رہا۔ بہت ممکن ہے وہ اب تک کتابی شکل میں آچکا ہوگا۔

اقبالیات تو ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا میدان ہی رہا اور وہ اس کے مرد میدان رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی انھوں نے بعض اہم موضوعات پر داد تحقیق دی جیسے تحقیق، تنقید و تدوین کی مایہ ناز قد آور شخصیت محمود شیرانی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے 'ارمغان شیرانی' جو شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام 2002 میں شائع ہوئی۔ اپنے پی ایچ ڈی کے نگران کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے 'ارمغان علمی' بہ پاس خدمات علمی و ادبی: ڈاکٹر وحید قریشی' مرتب کی جسے الفخر اعظم پرائزز، لاہور نے 1988 میں زیور طبع سے آراستہ کیا۔ اس کے علاوہ 'صحت املا کے اصول' مرتب کیے جو ادارۂ مطبوعات سلیمانی لاہور کے ذریعے 2009 میں اور پھر ادارۂ یادگار غالب کراچی کے ذریعے 2016 میں منظر عام پر آئے۔

ڈاکٹر ہاشمی نے ادب کے ساتھ ساتھ مذہب سے بھی وابستگی کا دستاویزی ثبوت چھوڑا۔ جیسے روداد مجلس سید ابوالاعلیٰ مودودی لاہور، 1979 میں منظر عام پر آئی۔ ڈاکٹر ہاشمی کے مرتبہ 'خطوط مودودی' جلد اول (بہ نام مسعود عالم ندوی) البدر پبلی کیشنز، لاہور، 1983 میں اور خطوط مودودی جلد دوم منشورات لاہور 1995 میں منظر عام پر آئے۔ تصانیف مودودی (کی کتابیاتی) مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ادارۂ معارف اسلامی، لاہور نے 1999 میں شائع کی۔

ڈاکٹر ہاشمی نے 'خطبات رسول' بھی مرتب کیے اور منشورات لاہور نے اس کے کئی اڈیشن 1999، 2003 اور 2014 میں شائع کیے۔

مختصر یہ کہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی جیسے راسخ العقیدہ، صوم و صلوٰۃ کے پابند ماہر اقبالیات سے ادبی دنیا اس سال کے آغاز ہی میں محروم ہوگئی۔ 2024 میں اب تک شعر و ادب کی کئی شخصیات کے گزر جانے سے اسے 'عام الحزن' قرار دیا جا سکتا ہے۔

ماخذ:

۱۔ 'چند ہم عصر اقبال شناس' مرتبہ ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم مطبوعہ اپریل 2018، پاکستان ادب اکادمی، علامہ اقبال کالونی، سرگودھا

۲۔ مقالات رشید حسن خان جلد سوم مرتبہ ڈاکٹر ٹی آر رینا، جموں، اشاعت 2024۔

ڈاکٹر رؤف خیر
9-11-137/1 موتی محل، گولکنڈہ، حیدرآباد 500008 (تلنگانہ)
E-mail: raoofkhair@yahoo.co.in
Mobile No. 94409 45645

اردو دنیا

شمال مشرقی دہلی کے گورنمنٹ و پرائیویٹ اردو میڈیم اسکولوں کے نتائج خوش آئند

نئی دہلی (13 مئی)۔ سی بی ایس ای کے دسویں اور بارہویں جماعتوں کے نتائج کا اعلان ایک ساتھ کیا گیا۔ شمال مشرقی دہلی کے سرکاری اسکولوں میں دسویں اور بارہویں جماعت کے نتائج تسلی بخش رہے۔ معروف اقلیتی انگلش میڈیم ادارہ 'بدر ماڈرن پبلک سیکنڈری اسکول' کا اپنی سابقہ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے امسال بھی دسویں کا نتیجہ سو فیصد آیا، جس سے طلبہ و طالبات میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کامیابی پر مقامی لوگوں نے اسکول کے منیجر حاجی اکرام حسن کو مبارک باد پیش کی اور کہا کہ بدر ماڈرن پبلک اسکول کی وجہ سے ہمارے علاقے کا نام روشن ہوتا ہے، برسوں سے عمدہ کارکردگی کی بنیاد پر ہم سب کا سر فخر سے بلند رہتا ہے اور ہمیں امید ہے کہ مستقبل میں بھی یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین میموریل سینئر سیکنڈری اسکول جعفرآباد کا بارہویں جماعت کا نتیجہ 85 فیصد رہا۔ کل 172 طلبہ نے شرکت کی اور 146 نے کامیابی حاصل کی۔ کامرس کے محمد ارحم نے 91 فیصد نمبر حاصل کرکے اسکول میں اول مقام حاصل کیا۔ اسی طرح محمد ایشان انصاری نے 86 فیصد نمبر حاصل کرکے دوسرا مقام پایا۔ محمد ایشان نے علم معاشیات میں 99 نمبر حاصل کیے ہیں۔ تیسرا مقام 85 فیصد نمبروں کے ساتھ حفظ شاداب نے حاصل کیا۔ ہندی مضمون کا نتیجہ صد فیصد رہا۔ دسویں جماعت میں کل 179 طلبہ نے شرکت کی جن میں 139 نے کامیابی حاصل کی۔ دسویں جماعت کا نتیجہ 78 فیصد رہا۔ گزشتہ برس کے مقابلے یہ 11 فیصد بہتر رہا۔ اول مقام 86 فیصد نمبروں کے ساتھ عبدالرحمن نے، دوسرا مقام 83 فیصد نمبروں کے ساتھ محمد تحسین نے اور تیسرا مقام 82 فیصد نمبروں کے ساتھ محمد ارمان نے حاصل کیا۔ احیان ایوور نے اردو زبان میں پورے 100 نمبر حاصل کیے ہیں۔ 13 طلبہ نے اردو میں 95 فیصد سے زیادہ نمبر حاصل کیے ہیں۔ اسکول کے پرنسپل ریاض الحسن خاں نے بھی طلبہ اور اساتذہ کو مبارک باد دی، خصوصاً اردو زبان کے اساتذہ کو ستائشی کلمات سے نوازا۔ وائس پرنسپل محمد نعیم نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے آئندہ سالوں میں مزید محنت کرنے اور نتائج کو بہتر بنانے کا عزم ظاہر کیا۔ منیجر زین العابدین نے کہا کہ اردو زبان کا بہترین نتیجہ بتاتا ہے کہ ہمارا اسکول دہلی کا ایک نمائندہ اردو میڈیم اسکول ہے۔ موقعے کی مناسبت سے محلے میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔ اس موقعے پر اسکول کے اکثر اساتذہ موجود تھے۔ زینت محل اسکول جعفرآباد کا بارہویں جماعت کا نتیجہ 93 فیصد رہا جس میں چار فیصد کا اضافہ بتایا گیا ہے۔ کل 598 لڑکیوں نے بارہویں کے امتحان میں حصہ لیا تھا، جس میں 588 لڑکیاں پاس، 14 فیل اور 26 کا کمپارٹمنٹ آیا۔ اول پوزیشن لامیہ، دوم پوزیشن ذکری ملک اور سوم پوزیشن آفرین خاں نے حاصل کی۔ دسویں جماعت کا نتیجہ 87 فیصد رہا جس میں گزشتہ برس کے مقابلے چار فیصد کا اضافہ ہوا۔ دسویں کے امتحان میں 534 لڑکیوں نے حصہ لیا، جن میں 469 پاس ہوئیں اور 65 لڑکیوں کا کمپارٹمنٹ آیا۔ گورنمنٹ بوائز سینئر سیکنڈری اسکول جعفرآباد کی بارہویں جماعت کا نتیجہ 87 فیصد رہا، جس میں دو فیصد کا اضافہ ہے۔ کل 252 طلبہ نے امتحان میں حصہ لیا جس میں 219 پاس، 12 فیل اور 21 کا کمپارٹمنٹ آیا۔ ان میں اول پوزیشن محمد انس، دوم پوزیشن محمد حذیفہ اور سوم پوزیشن محمد ارمان نے حاصل کی۔ دسویں جماعت کا نتیجہ 92 فیصد رہا، جس میں 17 فیصد کا اضافہ ہے۔ 476 بچوں نے دسویں کا امتحان دیا، ان میں 437 طلبہ پاس ہوئے جب کہ 39 بچوں کا کمپارٹمنٹ آیا اور فیل کوئی نہیں ہوا ہے۔ بیشتر طلبہ کے والدین کا کہنا ہے کہ جب سے اسکول میں محمد تسلیم کی بہ حیثیت پرنسپل تقرری عمل میں آئی ہے تبھی سے تعلیم کا معیار بلندی کی طرف ہے کیوں کہ پرنسپل کی جد و جہد اور لگن کے نتیجے میں ہی اساتذہ میں بھی اپنی ذمے داری نبھانے کا جذبہ ہے اور اسی جذبے کے تحت ہی اساتذہ محنت و لگن سے تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیتے ہیں جس کے نتیجے میں گزشتہ برسوں کے مقابلے رزلٹ میں 17 فیصد کے اضافے پر محمد تسلیم (پرنسپل) مبارک باد کے مستحق ہیں۔

(انقلاب۔ دہلی)

اُردو پہلی زبان کے ساتھ سُشیلا کماری کی نمایاں کامیابی

بنگلورو (27 مئی)۔ ایک ایسے دور میں جب اردو والے خود اپنی مادری زبان کو زیادہ اہمیت نہیں دے رہے ہیں، ایک غیر اردو داں کا نہ صرف اردو پہلی زبان کے طور پر پڑھنا اور اس میں اچھے مارکس کے ساتھ کامیابی حاصل کرنا ایک بڑی بات ہے۔ اس کی ایک تازہ مثال سشیلا کماری بنت شیر سنگھ بشت ہے۔ اس بچی نے ماولی ایجوکیشن سوسائٹی (ایم ای ایس) بڑی ماولی بنگلورو اسکول کی طالبہ کی حیثیت سے سیکنڈری اسکول لیونگ سرٹیفکٹ (ایس ایس ایل سی) یعنی دسویں جماعت میں 82.12 فیصد مارکس کے ساتھ نمایاں کامیابی حاصل کی، لیکن خاص بات یہ ہے کہ اس نے پہلی زبان کے طور پر اردو کو اختیار کیا تھا اور اردو میں اسے پورے اسکول کی طالبات میں سب سے زیادہ نمبر حاصل ہوئے ہیں۔ سشیلا کماری نے 125 میں سے 93 مارکس حاصل کیے ہیں۔ اس کے والد شیر سنگھ بشت ایک معمولی مزدور ہیں اور قلیل آمدنی کے باوجود انھوں نے بچی کو پڑھانے کا عزم کیا اور اردو بطور زبان اوّل کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ سشیلا کماری نے بھی سخت محنت کی اور اس بات کی مثال قائم کی کہ اپنی مادری زبان کچھ بھی کیوں نہ ہو اردو پڑھ سکتے ہیں اور اس کے ساتھ آگے بڑھ بھی سکتے ہیں۔ اردو والوں کو چاہیے کہ اس سے سبق سیکھیں۔ (سالار۔ بنگلور)

'بانگِ درا' کے سو سال پر مذاکرہ کا انعقاد

نئی دہلی (19 مئی، پریس ریلیز)۔ اقبال اکیڈمی انڈیا نئی دہلی کی جانب سے 'بانگ درا' کے سو سال پر تسمیہ آڈیٹوریم، جامعہ نگر اوکھلا میں ایک مذاکرے کا انعقاد کیا گیا، جس کا آغاز قرآن کریم کی تلاوت سے کیا گیا۔ مذاکرے کی صدارت ڈاکٹر سید فاروق صاحب نے فرمائی۔ انھوں نے اپنے صدارتی خطبے میں کلام اقبال کی معنویت پر اظہار کیا کہ شاعر الفاظ کے استعمال میں کتنا محتاط ہوتا ہے۔ اقبال نے 'خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں' کے مصرعے میں سادہ دل کی جگہ معصوم نہیں استعمال کیا کیوں کہ معصوم کا لفظ صرف تین بندوں پر، یعنی نبی، مجذوب اور بچے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ پروفیسر عبدالحق صاحب نے جلسے کی کارروائی کی ذمے داری ادا کی۔ انھوں نے کلام اقبال کے فکر و پیام پر تفصیلی گفتگو کی۔ اقبال کے پہلے مجموعہ اردو کلام 'بانگ درا' کے سو سال ہونے پر اس کی اہمیت اور مقبولیت کے بارے میں بتایا۔ اقبال کا کلام سو سال گزرنے کے بعد بھی زندہ و تابندہ ہے۔ معاصر دور میں اس کی ضرورت و افادیت مزید بڑھ گئی ہے۔ اقبال کا کلام قارئین و سامعین میں بیداری پیدا کرتا ہے۔ اقبال عوام و خواص میں یکساں مقبول ہیں۔ اقبال اکادمی کے صدر ڈاکٹر سید ظفر محمود نے اقبال کی بانگ درا کی چند مقبول نظموں کے فکر و پیام کی اہمیت کو بتایا۔ انھوں نے یہ بھی عرض کیا کہ اقبال اکیڈمی، انڈیا کافی عرصے سے اقبال کے کسی ایک شعر کے سیاق میں ان کے فکر و پیام کی اہمیت پر مذاکرہ کرتی رہی ہے۔ پروفیسر توقیر احمد خان نے اقبال کے 'بانگ درا' کی اشاعت کے حوالے سے بڑی معلوماتی گفتگو کی۔ موصوف نے یہ بھی بتایا کہ میں نے مکاتیب اقبال کے مرتب مظفر برنی کے ساتھ کام کیا جس کی چار جلدیں دہلی اردو اکیڈمی نے شائع کیں، پانچویں جلد شائع ہونے سے رہ گئی تھی۔ اس کا غیر مطبوعہ مسودہ میرے پاس ہے۔ دہلی اردو اکیڈمی کے سکریٹری محمد عابد حسن نے کلام اقبال پر فکر انگیز گفتگو کی اور پروفیسر توقیر صاحب سے استدعا کی کہ وہ مکاتیب اقبال کی پانچویں جلد کے مسودے کو شائع کرنے کے لیے دہلی اردو اکادمی کو عنایت کریں۔ پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے اپنی گفتگو میں اس بات پر توجہ دلائی کہ ہمیں اپنے علمی و تہذیبی اثاثے کی قدر اور تحفظ کرنا چاہیے۔ قومی کونسل کے سابق ڈائرکٹر پروفیسر شیخ عقیل احمد نے اقبال کے فلسفے کو انسانیت کا فلسفہ بتایا، جو ہمیشہ زندہ رہے گا۔ پروفیسر اختر حسین نے اپنی گفتگو میں معروف اسکالر خوشونت سنگھ کا حوالہ دیتے ہوئے اقبال کو دانشورانہ فکر کا شاعر بتایا، جو دنیائے ادب میں منفرد اہمیت کا حامل ہے۔ مشہور نقاد حقانی القاسمی نے اقبال کے فکر و شعر کے حوالے سے اپنی تنقیدی رائے کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر سلمہ شاہین نے اپنی خوشنما اور منفرد آواز میں اقبال کی دو غزلیں پیش کیں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ماس کمیونی کیشن ریسرچ سینٹر میں پرانے ریڈیو، اردو نشریات کے حوالے سے کئی کتابوں کے مرتب و مصنف ڈاکٹر شکیل اختر نے 'بانگ درا کی صدی کیوں؟' کے موضوع پر معلوماتی مقالہ پڑھا۔ پروفیسر ابوبکر عباد نے اقبال اور سرسید کی نسبت سے پرچہ پیش کیا۔ ڈاکٹر عبدالحی نے اپنی معلوماتی گفتگو کے دوران اقبال سے متعلق دانشوروں کی رائے کے بارے میں اظہار کیا۔ ڈاکٹر سرفراز جاوید نے اقبال کے کلام میں فکر و عمل، تحریک اور اخلاقی تربیت کے پہلو پر اپنی آرا پیش کیں۔ ڈاکٹر شاہد نے 'بانگ درا' کے ادوار اور اس کی اشاعت کی تعداد سے متعلق انتہائی معلوماتی پرچہ پیش کیا۔ مذاکرے میں ڈاکٹر ندیم احمد، ڈاکٹر محسن، مظفر حسین غزالی، زبیر احمد خاں سعیدی، 'فکر و تحقیق' اور 'اردو دنیا' کے مدیر ڈاکٹر عبدالباری، مقدر ابک ٹریڈرس کے مالک شعیب اور دیگر محبان اردو نے شرکت کی۔

گورنمنٹ میڈیکل کالج کے سائن بورڈ پر اردو زبان کو بھی شامل کرنے کے لیے رکن اسمبلی نارائن پیٹ سے نمائندگی

نارائن پیٹ (22 مئی)۔ محمد محمود قریشی (صدر اقلیتی سیل کانگریس پارٹی، نارائن پیٹ) نے صحافتی بیان میں بتایا کہ نارائن پیٹ میں واقع گورنمنٹ میڈیکل کالج کی نو تعمیر شدہ عمارت کے سائن بورڈ پر صرف انگریزی اور تلگو زبان میں میڈیکل کالج کا نام شامل ہے، اس میں اردو زبان کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، جس سے محبان اردو میں بے چینی پائی جا رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ تلنگانہ میں اردو زبان کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے رکن اسمبلی نارائن پیٹ ڈاکٹر چٹم پرنیکا ریڈی سے ملاقات کی اور گورنمنٹ میڈیکل کالج کی نو تعمیر شدہ عمارت کے سائن بورڈ پر اردو زبان کو بھی شامل کرنے کا مطالبہ کیا۔ بعد ازاں رکن اسمبلی ڈاکٹر چٹم پرنیکا ریڈی نے پرنسپل میڈیکل کالج کو فون کرکے میڈیکل کالج کی عمارت پر اردو میں بھی نام شامل کرنے کو کہا۔ اس موقعے پر محمد سلیم کونسلر و دیگر موجود تھے۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ دھنباد کی کانفرنس

دھنباد (28 اپریل)۔ بھولی روڈ واقع مدرسہ اسکول میں انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ دھنباد کی ضلعی کانفرنس بزرگ شاعر و ادیب الفت مظفر پوری کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں انجمن کے مرکزی نمائندہ ایم زیڈ خان سمیت عہدیداروں کے کنوینر افضل انیس، احمد نثار، مدیر عالی فلک، غلام وارث، مظفر خان، امتیاز غدر، محمد انور، نسیم اختر، محمد مستقیم، سلام غوث اور یونس فردوسی وغیرہ شریک ہوئے۔

کانفرنس میں محمد انور کی امتیاز غدر پر لکھی کتاب 'امتیاز غدر: فن اور شخصیت' کا اجرا الفت مظفر پوری، حسن نظامی، ایم زیڈ خان، ایس ایم رضوی کے ہاتھوں کیا گیا۔ اس کے بعد کنوینر نے اپنی تین ماہ کی کارکردگی کی تفصیلی رپورٹ پیش کی جسے اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔

کانفرنس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے مرکزی نمائندہ ایم زیڈ خان نے انجمن ترقی اردو (ہند) کی 1882 کی تاریخ بتائی اور کہا کہ انجمن آج ایک نظریہ ساز ادارے کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ وہ کام کرتی ہے جو حکومتی اداروں کے لیے تکنیکی وجوہ سے ممکن نہیں ہے۔ انجمن ہی اردو کا وہ واحد ادارہ ہے جس نے حکومت کو اردو کے لیے ہر ممکن اقدام کرنے پر آمادہ کیا۔ مختلف صوبوں میں دوسری سرکاری زبان، اتر پردیش سرکار میں پہلی اردو اکادمی اور اس کے بعد دیگر اردو اکادمیوں، قومی اردو کونسل کے پیش رو ادارے ترقی اردو بورڈ اور مختلف یونیورسٹیوں میں شعبہ ہائے اردو کا قیام صرف انجمن ترقی اردو (ہند) کی کوششوں سے ممکن ہو سکا۔ اس وقت کے انجمن کے اسسٹنٹ سکریٹری مولانا ابوالکلام آزاد کی کوششوں سے ہی اردو کو آئین کی شیڈول آٹھ میں شامل کیا گیا جنھوں نے اردو مخالف لابی کے رویے کے خلاف آئین ساز اسمبلی سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

مرکزی نمائندے نے اپنے خطاب میں اردو آبادی کو اس تنظیم سے جڑنے کی اپیل کی تاکہ اسے ایک تحریک کی شکل دی جا سکے۔

آخر میں جمہوری طریقے سے انجمن ترقی اردو دھنباد کا انتخاب کرایا گیا جس کی تفصیل اس طرح ہے:

صدر: ایس ایم رضوی (سید مفتاح العارفین رضوی)

نائب صدور: (1) سید مرور حسین، (2) سیف اللہ خالد، (3) امتیاز غدر (گومو)

سکریٹری: حسن نظامی

جوائنٹ سکریٹری: محفوظ عالم

اسسٹنٹ سکریٹریز: راشد مظہر، پروفیسر سکندر انصاری (گومو)، وارث الحسن

خازن: عبدالرحمن عبید

نائب خازن: محمد عرفان

اراکین مجلس عاملہ: ڈاکٹر یونس فردوسی (جھریا)، غلام وارث، اصغر حسین، امتیاز بن عزیز۔

ادیبوں اور قلم کاروں سے درخواست

کلکتہ (پریس ریلیز، 6 مئی)۔ ماہنامہ 'انشاء' اپنے خاص نمبروں کے لیے مشہور ہے۔ اپنی اشاعت کے 39ویں برس میں اس کا 29 واں خاص شمارہ 'بنگال کا جدید اردو ادب' عنوان سے شائع ہوگا جس کے لیے بنگال کے تمام پرانے اور نئے ادیبوں، شاعروں، ڈرامہ نگاروں اور ناقدوں سے ان کی غیر مطبوعہ معیاری تحریریں اشاعت کے لیے مطلوب ہیں۔ اس خصوصی شمارے میں قلمی شرکت کے لیے ضروری شرائط ماہنامہ 'انشاء' سے بذریعہ خط معلوم کی جا سکتی ہیں۔

اپنی تحریر کے ساتھ اپنا پتہ، صاف بڑے سائز کی تصویر، موبائل نمبر اور زیادہ سے زیادہ 150 الفاظ میں اپنا تعارف بھیجیں۔ معیار کے سلسلے میں ادارہ انشاء کوئی سمجھوتہ نہیں کرے گا۔ اشاعت کے ساتھ قلم کار کو ایک سند سے نوازا جائے گا۔

معلوم رہے کہ 2000 میں انشاء کا 'کلکتہ کا عصری ادب نمبر' شائع ہوا تھا جو اس دور میں کلکتہ کا ادبی انسائیکلوپیڈیا تسلیم کیا گیا تھا۔ ایک چوتھائی صدی بعد 'بنگال کا جدید اردو ادب' ایک یادگار، تاریخ ساز دستاویز ہوگا جو شرکاء کے نام اور کام کو تادیر محفوظ رکھے گا۔ یہ طے ہے کہ اس کوشش کو بنگال کے فنکاروں کو ہی کامیاب بنانا ہے۔

رابطہ کریں:

Mahnama Insha
Insha Publications
25-B,Zakaria Street, Kolkata-700073
Mob: 9830483810
Email : inshapublications@yahoo.co.in

جامعہ نگر میں اردو زبوں حالی کا شکار

دکانوں، گھروں اور مساجد سے اردو غائب

نئی دہلی (16 مئی)۔ جامعہ نگر، اوکھلا میں اردو کی آج حالت یہ ہے کہ علاقے میں دکان ہو یا مکان، اردو کا بورڈ یا اردو کے نام کی تختی کہیں نظر نہیں آتی۔ بٹلہ ہاؤس، ذاکر نگر، ابوالفضل انکلیو، شاہین باغ جو رہائش کے ساتھ ساتھ تجارتی مراکز بھی ہیں، یہاں کہیں بھی اردو کا بورڈ نظر نہیں آتا۔ اب حالت یہ ہے کہ مساجد سے بھی تیزی کے ساتھ اردو غائب ہوتی جارہی ہے۔ مساجد میں بھی نماز کے اوقات اور دیگر امور میں ہندی کا استعمال کیا جارہا ہے۔ تقریباً پانچ لاکھ کی آبادی والے اس علاقے میں عظیم دانش گاہ جامعہ ملیہ اسلامیہ موجود ہے۔ علاقے میں رہائش پذیر 97 فیصد مسلمان ہیں جن میں بڑی تعداد میں ملک کے نامور دانشور، اساتذہ، ادیب و شاعر شامل ہیں۔ اس علاقے میں سب سے زیادہ ادب اور شعر و شاعری کی محفلیں سجتی ہیں۔ اس علاقے میں کئی ملی، مذہبی اور سماجی تنظیمیں بھی سرگرم ہیں۔ علاقے کے ممبر اسمبلی سے کونسلر تک مسلمان ہیں، ان کے بھی بیشتر بورڈ ہندی میں تحریر ہیں۔ الیکشن یا کسی تہوار کے موقع پر سیاسی لیڈروں اور سماجی اداروں کے بورڈوں پر دیگر زبانوں کے ساتھ اردو رسم خط ضرور دکھائی دیتا ہے لیکن اس میں بھی املا کی غلطیاں ہوتی ہیں۔ اوکھلا علاقے میں تقریباً آٹھ سینئر سیکنڈری اسکول ہیں جن میں ہر سال اردو پڑھنے والے طلبہ کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اردو کے غائب ہونے پر خود اردو والے خاموش تماشائی ہیں۔

اس سلسلے میں اردو کے کئی دانشوروں، اساتذہ، ملی جماعتوں کے رہنما، ادبا اور شعرا سے ان کے تاثرات جاننے کی کوشش کی گئی۔ ایک بات پر سب متفق تھے کہ یہ ایک تشویشناک معاملہ ہے لیکن یہ حالات کیوں پیدا ہوئے اور اردو پڑھنے والوں کی تعداد میں مسلسل کمی کے لیے اسکول میں اساتذہ کی کمی اور سرکار کی لاپروائی کو ذمہ دار گردانتے ہیں۔ اردو کے ایک سینئر صحافی کا تو یہاں تک کہنا تھا کہ الیکشن کے موقع پر اردو کے مسئلے کو اٹھانا مناسب نہیں ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جتنے بھی تعلیم یافتہ لوگوں سے بات کی گئی وہ ان حالات میں بھی اردو کے مستقبل کے تئیں پُر امید تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ اردو مقبول عام زبان ہے یہ کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس جب متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد سے بات ہوئی تو ان کے جینے میں اردو کے مستقبل کی فکر کے لیے دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوا۔

دوسری جانب اردو کے تئیں امید کی کرن اس وقت دکھائی دی جب جامعہ میں اردو کی بقا کے لیے اوکھلا پریس کلب نے اردو کو فروغ دینے کے لیے باقاعدہ بورڈ اور ناموں کی تختی اردو میں لکھنے کی تحریک شروع کرنے کا اعلان کرتے ہوئے اس کا آغاز بھی کر دیا ہے جس پر بڑے پیمانے پر مثبت ردعمل کا اظہار کیا جارہا ہے اور اس کے مثبت نتائج بھی سامنے آنے لگے ہیں۔ اوکھلا پریس کلب کے بانی معین بھارتی نے 'انقلاب' سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ دنیا بھر میں تعلیمی، ملی، سیاسی اور سماجی سرگرمیوں کے لیے مشہور جامعہ نگر میں آہستہ آہستہ اردو کو بازاروں اور دکانوں حتیٰ کہ گھروں سے غائب ہوتے ہوئے دیکھ کر گھٹن سی محسوس ہونے لگی تھی۔ دوست احباب بھی اردو کی حالت کی جانب توجہ مبذول کراتے تھے، ہمیں شدت سے محسوس ہوا کہ اردو کو فروغ دینا ہم سب کی ذمہ داری ہے، اس لیے یہ خیال آیا کہ اوکھلا پریس کلب کی جانب سے اردو کو فروغ دینے کی مہم شروع کی جائے۔ اوکھلا کے تمام سیکولر عوام بالخصوص مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اردو کو فروغ دینے کے لیے کوشش کریں۔ ذاکر نگر میں رہنے والے ریٹائرڈ ٹیچر جاوید صدیقی کا کہنا ہے کہ یقیناً جامعہ نگر جیسے علاقے میں اردو کی زبوں حالی افسوسناک ہے۔ اس کے لیے باقاعدہ تحریک شروع کرنے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو ہماری گنگا جمنی تہذیب کی علامت ہے۔ ہر شخص سنجیدگی کے ساتھ اگر اپنے گھر سے اردو کے فروغ کا کام شروع کرے تو اس کے اچھے نتیجے سامنے آئیں گے۔ (انقلاب، دہلی)

سلام بن رزاق کی وفات پر

ادارہ بال بھارتی پونہ میں تعزیتی نشست

پونہ (10 مئی)۔ برصغیر کے ادبی حلقوں میں سلام بن رزاق کی شخصیت بطور افسانہ نگار بلاشبہ معتبر و مستند رہی ہے۔ ان کا فیض تادم آخر ادب کے ساتھ ساتھ مختلف شعبۂ حیات میں بھی جاری رہا اور بعد از مرگ بھی جاری رہے گا۔ تعلیم و تدریس سے ان کی وابستگی طویل عرصے پر رہی اور یہاں بھی ان کے نقش پا سے سیکڑوں بلکہ ہزاروں نے رہنمائی حاصل کی، بالخصوص اپنے بعد کے آنے والوں کے لیے سلام بن رزاق ایک گھنا سایہ دار درخت کی مانند رہے کہ جس کی چھاؤں جویان علم و ادب کا مسکن رہا کرتی تھی مگر افسوس کہ اب یہ درخت سوکھ گیا۔ اس طرح کے خیالات کا اظہار خان نوید الحق نے ادارہ بال بھارتی (پونہ) میں منعقد ایک تعزیتی نشست میں کیا۔ واضح رہے کہ اردو کے مایہ ناز افسانہ نگار سلام بن رزاق کی رحلت بال بھارتی (پونہ) کے لیے بھی کسی صدمے سے کم نہیں ہے۔ مرحوم برسوں اس ادارے سے عملی طور پر وابستہ رہے۔ اس موقع پر ڈاکٹر اشفاق عمر نے مختلف واقعات کی روشنی میں سلام بن رزاق کے فن اور حقیقی زندگی کو آمیز کرتے ہوئے ان کے مشاہدے کی قوت کو آشکار کیا۔ ملک نظامی نے کہا کہ سلام بن رزاق کی شخصیت بہ حیثیت مجموعی منفرد تھی۔ سلام بن رزاق کے افسانوں میں جس درجے انفرادیت پائی جاتی ہے، شخصی سطح پر بھی ان کا مقام اسی درجے منفرد تھا۔ یاسین اعظمی نے بال بھارتی کے حوالے سے مختلف واقعات کا ذکر کرتے ہوئے سلام بن رزاق کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا۔ موصوف کے نزدیک سلام بن رزاق کی رحلت ادارہ بال بھارتی کا ذاتی نقصان ہے جس کا ازالہ کسی صورت ممکن نہیں۔ اس نشست میں وسیم فرحت علیگ نے بھی خصوصی طور پر شرکت کی۔ انھوں نے مرحوم سلام بن رزاق کے ساتھ اپنے دیرینہ مراسم کا ذکر کرتے ہوئے ان کے قلم کی پختہ کاری کا اعتراف کیا۔ اسی طرح وسیم عقیل شاہ نے سلام بن رزاق کی ذاتی زندگی پر مختصر روشنی ڈالی۔ نشست میں نازیہ ذاکر شیخ، عبدالقیوم کفایت، عبدالاحد، امتیاز انصاری، محمد محسن آکلوی، ایڈوکیٹ حسین طالب اور مومن وسیم احمد خاص طور پر شریک تھے۔

(اعتماد، حیدرآباد)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام رسالہ : اردو جرنل-14 (2023)
(خصوصی گوشہ شاد عظیم آبادی)
مدیر : ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی
ضخامت : 360 صفحات
قیمت : 350/روپے
ملنے کا پتہ : شعبۂ اردو، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ-800005
تبصرہ نگار : ڈاکٹر محمد منہاج الدین
Email: khanminhaj762@gmail.com

اردو جرنل کا یہ شمارہ گزشتہ 25 ستمبر کو میرے ہاتھ لگا۔ دراصل اسی دن شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی میں ساحر لدھیانوی اور ہم عصر شعرا سیمینار کے موقعے پر اس دستاویزی شمارے کا اجرا بدست وائس چانسلر، پٹنہ یونیورسٹی پروفیسر گریش کمار چودھری ہوا۔ وائس چانسلر کے علاوہ پروفیسر خواجہ اکرام الدین، پروفیسر اعجاز علی ارشد، ڈاکٹر شکیل احمد خاں (MLA)، چندر بھان خیال، ڈاکٹر موسیٰ رضا، ڈاکٹر سورج دیو سنگھ اور خود مدیر ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی نے اردو جرنل کی رسم رونمائی کا فریضہ انجام دیا۔ ویسے تو میں اردو جرنل کے کور پیج کا دیدار پہلے ہی تصویروں میں کر چکا تھا مگر کتاب کا اصل حسن طباعت کے بعد جلوہ گر ہوتا ہے آیا کہ دو دیدہ و زیب ہے یا کچھ کمی رہ گئی۔ مگر یقین کیجیے کہ اردو جرنل کے لیے مضامین کے انتخاب اور ترتیب میں جہاں ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی کے اعلا علمی و ادبی شعور کا پتا چلتا ہے وہیں سرورق کی تزئین میں ذوق جمال بھی نظر آتا ہے۔ اردو جرنل کی گزشتہ ڈیڑھ دہائیوں سے مسلسل اشاعت اور اس قدر معیاری اور خوبصورت اشاعت کوئی آسان کام نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ اس کارنامے میں ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی کا خون جگر صرف ہوتا ہی ہوگا، اس لیے سب سے پہلے میں ان کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اردو جرنل کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس کا ہر شمارہ کسی نہ کسی خاص موضوع پر مشتمل ہوتا ہے، جس سے اس کی اہمیت نہ صرف یہ کہ ادبی حلقے میں محسوس کی جاتی ہے بلکہ کئی شمارے تو ایسے ہیں جو نصابی ضرورتوں کو بھی پورا کرتے ہیں اور ریسرچ اسکالرز اور طلبہ کے لیے بھی معاون ہوتے ہیں۔ 'اردو جرنل-14' میں بھی سابقہ روایت کی پاسداری کرتے ہوئے عظیم آبادی کی ادبی روایت کے امین، معروف شاعر، ناقد، نثر نگار اور محقق حضرت شاد عظیم آبادی کے لیے ایک گوشہ مختص کیا گیا ہے۔

'اردو جرنل-14' 360 صفحات پر مشتمل ضخیم شمارہ ہے، جو تنقیدی و تحقیقی نوعیت کے 41 مضامین پر مشتمل ہے اور دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے کو 'گلستانِ شاد' کے عنوان سے ترتیب دیا گیا ہے جو حضرت شاد عظیم آبادی کے لیے خصوصی گوشہ ہے، دوسرا حصہ 'جہانِ نقد' ہے، جس میں متفرق تنقیدی مضامین کی تعداد چودہ (14) ہے۔ اردو جرنل کی ایک اچھی بات یہ بھی ہے کہ مضامین کی فہرست اردو کے علاوہ انگریزی زبان میں بھی درج ہے۔ بائیں جانب سے ورق گردانی کریں تو سب سے پہلے شعبۂ اردو کی گزشتہ سال کی سرگرمیوں کی جھلکیاں تصویروں میں ملیں گی اور پھر انگریزی زبان یوں کہیے کہ انگریزی زبان اور رومن رسم خط میں جرنل کا نام اور دیگر متعلقہ تفصیلات کے بعد دو صفحات میں بعنوان Contents مضامین کی فہرست درج ہے۔

اداریے کی بات کی جائے تو 'پہلی بات' عنوان کے تحت مدیر ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی نے آٹھ صفحات پر محیط مفصل اور مبسوط اداریہ لکھا ہے۔ ابتدائی تین صفحات میں انھوں نے شاد کی شاعری پر قدرے مختصر مگر بے حد عمدہ طریقے سے اظہار خیال کیا ہے جو بذات خود ایک معیاری تنقیدی مضمون سے کم نہیں۔ شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی کا ایک بے حد ہی سرگرم شعبہ رہا ہے۔ زبان و ادب کے فروغ میں شعبے کی خدمات نمایاں رہی ہیں۔ ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی کے عہد صدارت میں اس میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ شعبے کی انہی سرگرمیوں کو اداریے میں ترتیب وار بیان کیا گیا ہے۔ ان تقریبات میں ایک اہم اور بڑا کام 14 روزہ اردو ریفریشر کورس کا کامیاب انعقاد بھی ہے، جس میں نہ صرف نووارد ین کالج اساتذہ کی بہترین تربیت ہوئی بلکہ اس کی ملازمت کی ایک اہم ضرورت بھی پوری ہوئی ہے۔ نیٹ، جے آر ایف جیسے ملک گیر مقابلہ جاتی امتحان میں کامیابی ہو یا سرکاری اور غیر سرکاری ادارے میں تقرری شعبے کے فارغین طالب علم بڑی تعداد میں بہار اور ملک کے مختلف یونیورسٹی، کالج، اسکول کے علاوہ سرکاری محکموں میں مختلف چھوٹے بڑے تمام عہدے پر فائز ہیں۔ اداریے کا آخری حصہ شعبۂ اردو کی انہی کارکردگیوں کا مظہر ہے، جس میں مختلف امتحانات میں کامیابی حاصل کرنے والوں کے بارے میں اختصار سے بتایا گیا ہے۔

'گلستانِ شاد' ستائیس (27) تحقیقی و تنقیدی مضامین پر مشتمل دستاویزی گوشہ ہے، جس کا آغاز خانوادۂ شاد کے چشم و چراغ سید سلطان احمد بہزاد فاطمی کے دو مضامین سے ہوتا ہے، پہلا مضمون جہاں نیم تحقیقی نوعیت کا ہے، وہیں دوسرا مضمون تنقیدی مزاج رکھتا ہے۔ بہزاد فاطمی نے اپنے پہلے مضمون میں شاد کی مشہور زمانہ مثنوی 'مثنوی ماور ہند' کو موضوع بنا کر مثنوی کی سال تحریر، وجہ ترمیم اور سال اشاعت کا مختلف حوالوں سے تعیین کیا ہے۔ ان کے مطابق 'مثنوی ماور ہند' مثنوی 'نوید ہند' کی ہی ترمیم شدہ شکل ہے جو 1912 میں شائع ہوئی۔ مثنوی کے کچھ اشعار نقل بھی کیے گئے ہیں، جو شاد کی شاعرانہ عظمت کا حصہ ہیں۔ جناب بہزاد فاطمی کا دوسرا مضمون بعنوان 'شاد عظیم آبادی کا طریقۂ اصلاح (خطوں کے آئینے میں)' ہے۔ گوشے کا تیسرا مضمون بھی شاد کے ہی گھرانے سے تعلق رکھنے والے پروفیسر انجم فاطمی کا ہے جو 'شاد اور مرثیہ گوئی' کے عنوان سے شاد کی مرثیہ نگاری پر قدرے مختصر مگر جامع مضمون ہے۔ نبیرۂ شاد بہزاد فاطمی اور ان کے فرزند انجم فاطمی کے مضامین سے گوشۂ شاد کا آغاز اور پھر یہ کہ مذکورہ مضامین کا انتخاب اور شمولیت حضرت شاد کی خدمت میں بہترین خراج تحسین ہے۔

گوشۂ شاد کا ایک اہم مضمون پروفیسر اعجاز علی ارشد کا ہے، 'شاد اور جمیل' کے عنوان سے ان کا مضمون نہ صرف اس شمارے میں منفرد مقام رکھتا ہے بلکہ عہد حاضر میں تقابلی تنقید کی عمدہ مثال ہے۔ شاد اور جمیل کا موازنہ کرتے ہوئے انھوں نے واضح کیا ہے کہ شاد غزل کے بڑے شاعر ہیں تو جمیل نظم نگاری میں زیادہ باکمال نظر آتے ہیں۔ دونوں شعرا کے افکار و نظریات، فلسفہ اور فن کا موازنہ کرتے ہوئے انھوں نے مشترک قدروں کی بھی نشاندہی کی ہے۔ آج جب اردو تنقید میں تقابلی تنقید کی مثالیں کم کم ہی نظر آتی ہیں ایسے میں پروفیسر اعجاز علی ارشد کا مذکورہ مضمون نئی نسل کے لیے رہنما ثابت ہوگا۔

لسانیات ایسا موضوع ہے جسے شاید اردو ادب میں شجر ممنوعہ سمجھا جاتا رہا ہے، شاد نے حوصلۂ آدم دکھاتے ہوئے اس کا سواد چکھا تھا، لسانیات سے متعلق ان کی متعدد تحریریں موجود ہیں جن پر گفتگو لازماً ہونی چاہیے۔ ڈاکٹر عاصم شہنواز شبلی نے بھی ایک خشک مگر اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے، وہ قابل مبارکباد ہیں۔ شاد کی لسانی اور عروضی خدمات پر محیط ان کا مضمون 'شاد عظیم آبادی اور ان کی لسانی و عروضی خدمات' گوشۂ شاد کی ایک اہم کمی کو پورا کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی طرح عربی زبان و ادب کے استاد ڈاکٹر سرور عالم ندوی نے بھی اپنی راہ الگ لی اور شاد کی شاعری کو مختلف زاویے سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ گوشۂ شاد میں ان کا مضمون 'کلام شاد میں عربی زبان و تعبیرات' اپنی نوعیت کا انوکھا مضمون ہے۔ مضمون میں انھوں نے شاد کی عربی زبان سے گہری واقفیت اور دانشگی کے علاوہ قرآن فہمی اور متعلقہ احادیث پر دلائل پیش کرتے ہوئے شاد کی شاعری کو عربی تعبیرات اور فصیح کلمات کا دلکش مرقع بتایا ہے۔ میرا ماننا ہے کہ ڈاکٹر سرور عالم کا مذکورہ مضمون شاد فہمی اور شاد شناسی میں ایک نئے باب کا آغاز بھی ہے اور اضافہ بھی۔

گوشۂ شاد میں شاد کی شاعری پر متعدد مضامین ہیں خاص طور سے ان کی غزل گوئی سے متعلق مضامین کی تعداد ایک درجن کے قریب ہے۔ ان میں ڈاکٹر ظفر اللہ انصاری کا مضمون 'شاد عظیم آبادی کی غزل گوئی کی انفرادیت'، ڈاکٹر سورج دیو سنگھ کا مضمون 'شاد عظیم آبادی کی غزلوں کے مختلف رنگ'، ڈاکٹر عبدالحئی کا مضمون 'شاد عظیم آبادی کی غزل گوئی'، ڈاکٹر مشرف علی کا مضمون 'شاد کی غزلوں کے امتیازات'، ڈاکٹر آفتاب احمد منیری کا مضمون 'شاد کی غزلوں میں فلسفۂ حیات و کائنات' وغیرہ اسی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عبدالباسط حمیدی کا مقالہ بھی اہمیت کا حامل ہے کہ مضمون 'شاد عظیم آبادی پر حافظ شیرازی کا اثر' میں انھوں نے شاد کے کلام میں فارسی عناصر کے حوالے سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شاد نے بھی فارسی کے عظیم شاعر حافظ شیرازی سے کسب فیض کیا ہے۔ مجموعی طور پر ان مضامین کو سامنے رکھ کر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ گوشۂ شاد کے مضامین شاد کی غزلیہ شاعری کے باب میں اضافہ ہیں۔

گوشۂ شاد میں آپ کو شاد کی مرثیہ نگاری پر بھی اچھے اور معیاری مضامین پڑھنے کو ملیں گے، جن میں پروفیسر انجم فاطمی کے مضمون کے علاوہ ڈاکٹر عشرت صبوحی کا مضمون 'اردو مرثیہ نگاری میں شاد عظیم آبادی کی انفرادیت'، ڈاکٹر الفت حسین کا مضمون 'سانحۂ کربلا اور مراثی شاد کے فکری جہات' اور ڈاکٹر شبانہ پروین کی تحریر بعنوان 'شاد کی مرثیہ نگاری فن کے آئینے میں' قابل ذکر ہیں۔ شاد کی صوفیانہ شاعری کا جائزہ پیش کرنے والے کئی اہم مضامین مختلف عنوانات کے تحت شامل گوشہ ہیں، جو مختلف زاویے سے شاد کی صوفیانہ شاعری کو سمجھنے میں معاون ہوں گے۔ ڈاکٹر توقیر عالم توقیر 'شاد: فن داودی کا نغمہ ساز' میں جہاں کلام شاد میں تصوف اور الٰہیات کے مضامین تلاش کرتے ہیں وہیں ڈاکٹر ہادی سرمدی 'شاد کا ساقی: وجدان و عرفان کا ترجمان' میں شاد کی غزلوں میں ذات، حیات اور کائنات کے اسرار و رموز کی نشاندہی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر فیروز عالم کی تحریر بھی قابل مطالعہ ہے، شاد کی صوفیانہ شاعری کا جائزہ پیش کرتے ہوئے ان کا مضمون بعنوان 'شاد اور ان کی صوفیانہ شاعری' ایک جامع تحریر ہے۔ شاد کی نعتیہ شاعری پر طفیل احمد مصباحی کا مضمون 'شاد عظیم آبادی کی نعتیہ شاعری ظہور رحمت کے تناظر میں' ایک وقیع تحریر ہے۔

شاد کی شخصیت کثیر الجہات ہے، انھوں نے شاعری میں جس طرح کم و بیش تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے اسی طرح ان کے نثری کارناموں کا بھی دائرہ وسیع ہے۔ اس لیے شاد کی نثر نگاری کے مختلف جہات کا احاطہ کرنے والے مضامین بھی اس گوشے میں شامل کیے گئے ہیں جن میں شاد کی خودنوشت اور مکتوب نگاری سے متعلق مضامین اہم ہیں۔

گوشۂ شاد کا آخری مضمون 'شاد عظیم آبادی: معاصرین کے تناظر میں' ڈاکٹر محمد سہیل انور کا مختصر مضمون ہے، اس مضمون کی اہمیت اس لحاظ سے بڑھ جاتی ہے کہ شاد کو ان کے معاصرین کے تناظر میں پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مضمون مختصر ہے اس لیے اس میں گنجائش کم رہی ہوگی اس لیے شاد کے معاصرین کے تناظر میں غالب ہی غالب نظر آتے ہیں۔ ہاں مگر مجھے امید قوی ہے کہ اس مضمون سے تحریک پا کر شاد کے کلام کا ان کے معاصرین شعرا کے تناظر میں عمومی جائزہ لینے کی کوششیں ضرور ہوں گی۔

'اردو جرنل-14' کا دوسرا حصہ 'جہانِ نقد' چودہ متفرق تحقیقی و تنقیدی مضامین پر مشتمل ہے۔ مدیر اردو جرنل نے بڑی ہی عرق ریزی سے مقالات کا انتخاب کرتے ہوئے اس حصے کو مختلف موضوعات کے مضامین کا گلدستہ بنا کر پیش کیا ہے۔ میڈیا اور مکتوب، شاعری اور فکشن

اس باب کے اہم موضوعات ہیں۔ پہلا مضمون ڈاکٹر ہمایوں اشرف کا ہے، جنھوں نے میڈیا اور ادب کے رشتوں کا جائزہ لیتے ہوئے ادب کے فروغ میں میڈیا کا کیا رول ہے اور ہو سکتا ہے، انٹرنیٹ اور دیگر Social Media Apps اردو ادب کو کس طرح سے متاثر کر رہے ہیں جیسے موضوعات پر باتیں کی ہیں۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ایک اچھا اور وقیع مضمون ہے، جس میں ادب اور میڈیا کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم قرار دیا گیا ہے مگر اس بات پر تشویش کا اظہار بھی ہے کہ آج کی سوشل میڈیا یا الکٹرانک میڈیا پر ادب سے عدم واقفیت رکھنے والوں نے ادب کو خاصہ نقصان پہنچایا ہے۔ یہ ایک حساس موضوع ہے جس پر نہ صرف لکھنے کی بلکہ عملی کارکردگی کی ضرورت ہے ورنہ ادب اور میڈیا کے رشتے میں ادب کو فائدہ کم نقصان زیادہ ہی ہوگا۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ غیر موزوں اور تک بندی والے اشعار غالب اور اقبال جیسے عظیم شعرا سے منسوب ہو چکے ہیں، زبان اور رسم خط کا جنازہ نکالا جا رہا ہے، مثلاً خلافت مخالفت کے معنی میں رائج ہو چکا ہے۔

'جہان نقد' کا دوسرا مضمون معروف ناقد حقانی القاسمی کا ہے، جنھوں نے شبناز سورو کی افسانہ نگاری پر عمدہ مقالہ تحریر کیا ہے۔ 'شبناز سورو کا افسانوی استعاریہ' میں افسانہ نگار کی ذات، ذہن اور افکار کی تفہیم عالمانہ انداز سے کی گئی ہے۔ 'گوپی چند نارنگ خطوط کے آئینے میں' ڈاکٹر شاداب تبسم نے گوپی چند نارنگ کے خطوط کے حوالے سے ان کی شخصیت، فکر اور اسلوب کی بہترین عکاسی کی ہے۔ شہریار کی شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر نوشاد احمد کا مضمون بھی اچھا ہے۔ ایک مضمون ڈاکٹر محمد جلال الدین کا بھی ہے جس نے مجھے خاص طور سے متوجہ کیا، ان کا مضمون 'شعری پیرایے میں تقابلی طریق کار' کے عنوان سے منفرد ہے۔ اس طرح کے مضامین اردو کی تنقیدی روایت کو مستحکم کریں گے۔ 'ذوقی کے ناولوں کے چند زاویے' ڈاکٹر تسنیم اختر کا اچھا مضمون ہے۔ ڈاکٹر فیروز عالم نے 'محفل میلاد اور میلاد ناموں کی روایت' کو موضوع بنا کر اردو زبان و تہذیب کا فروغ اور میلاد ناموں کی روایت' کے عنوان سے محفل میلاد کی ادبی اہمیت و افادیت پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور کم ہوتی اس روایت پر تشویش کا اظہار بھی کیا ہے۔ اسی حصے میں عربی کے ایک اور استاد ڈاکٹر محمد ہاشم رضا کا مضمون بھی قارئین کو متحیر کرے گا۔ انھوں نے عربی کے سات شاعر جن کے شاہکار قصائد کی ادبی قدر و اہمیت کے اعتراف میں قبل اسلام ان قصائد کو کعبۃ اللہ کے دروازے پر لٹکایا گیا تھا۔ ڈاکٹر ہاشم رضا نے سبع معلقات اور مومن کے قصیدوں، مثنویوں اور غزلوں سے اشعار کا انتخاب کرتے ہوئے سراپا نگاری، ہجر و وصال، آہ و فغاں، شراب و شباب، بوس و کنار اور معاملہ بندی جیسے مضامین کے تحت عربی کی شاہکار کتاب اور مومن کے کلام میں یکسانیت اور مماثلت کی تلاش و نشاندہی کی کامیاب کوشش کی ہے جو قابل مطالعہ اور قابل احترام بھی ہے۔

مذکورہ مضامین کے علاوہ 'جہان نقد' کے باب میں 'احمد مشتاق کی غزل: سیاہ خانۂ امید رائیگاں سے الگ' (ندیم احمد)، 'نیر مسعود کے افسانوں میں تجربے کی نوعیت' (احسن ایوبی)، 'ادا جعفری کا شعری اختصاص' (ڈاکٹر شبنم پروین)، 'عصمت چغتائی کے افسانوں میں مسلم معاشرت کی عکاسی' (ڈاکٹر محمد فیروز اختر)، 'چہرہ بہ چہرہ رو بہ رو۔ فکشن اور تاریخ کا حسین امتزاج' (محمد عطاء اللہ) اور 'پروفیسر یوسف سرمست بحیثیت ناول نگار' (شاہد وصی) بھی اچھے اور معیاری مضامین ہیں۔

'اردو جرنل-14' کے مطالعے کے بعد میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ شعبۂ اردو، پٹنہ یونیورسٹی کا ادبی مجلہ اردو جرنل موضوعاتی اور معنوی طور پر اردو کے ہم عصر جرائد میں امتیازی شناخت رکھتا ہے، اس کے مشمولات اور مواد نہ صرف عام قارئین کے لیے مفید اور معلوماتی ہوتے ہیں بلکہ اساتذہ و طلبہ اور بالخصوص ریسرچ اسکالروں کی رہنمائی اور رہبری کرتے ہیں۔

●●

بقیہ: اردو زبان وادب کا سیکولر مزاج

(صفحہ 1 سے آگے)

جو مختلف تقریبات میں تہوار، بچوں کی پیدائش اور شادی بیاہ کے موقعے پر گائے جاتے ہیں۔ اردو غزل تو روزمرہ کی زندگی کا وہ حصہ بن گئی ہے جو مشاعروں میں خوب اپنا رنگ جماتی ہے۔ حالاں کہ ہندو تہذیب 'کربلا' کے المیے سے نا آشنا ہے لیکن اس کے شعرا نے شہادت حسین کی ایسی مصوری کی ہے کہ مرثیے کا لفظ پڑھیں دل پر رقم کیے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ خالص ہندوستانی رنگ اور طریقۂ اظہار کا نمونہ ملاحظہ ہو:

بالوں سے تیک نام کی لٹکتی ہری رہے
صندل سے مانگ، بچوں سے گودی بھری رہے

یہ دعا ایک ہندوستانی عورت کی زبان سے ہی نکل سکتی ہے۔ صندل سے مانگ بھرنے کا رواج عربوں میں نہیں ہے، اسی طرح اردو غزل اور قصیدے میں فارسی و عربی تراکیب و تلمیحات کے ساتھ ساتھ ہندوستانی تشبیہات و تلمیحات کا کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ لیلیٰ و مجنوں یا شیریں و فرہاد کی جگہ ہیر و رانجھا اور ارجن کی بان کو شاعروں نے سلیقے کے ساتھ نظم کیا ہے۔

اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو زبان کی تشکیل و ترقی میں بھی قوموں کا مساوی حصہ ہے۔ اس زبان میں جہاں قرآن کریم کے تراجم ہوئے، وہیں رامائن اور مہابھارت کو بھی اردو کا قالب پہنایا گیا اور دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ یہ کارنامہ مسلم شعرا نے انجام دیا ہے۔

ہندوستان میں انگریز آئے تو انھیں بھی اردو پسند آئی، کیوں کہ عام بول چال کی زبان یہی تھی، لہٰذا اس کو رابطے کی زبان کے طور پر انھوں نے منتخب کر کے 'ہندوستانی' کا نام دے دیا، اس کی ترویج و ترقی کے لیے فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔ دوسری طرف آریہ سماج اور برہمن سماج جیسے مذہبی رجحانات کا اظہار بھی اردو میں ہوتا رہا غرضیکہ ہر عقیدت اور مذہب کے ماننے والوں کا اردو کے ساتھ رشتہ استوار ہوا۔ خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، کسی مکتب خیال کے اظہار پر اردو کے دروازے بند نہیں ہوئے۔

اس کے باوجود اگر اردو ادب کے محاورات و استعارات پر اسلام کا اثر زیادہ نظر آتا ہے تو یہ ویسا ہی ہے جیسے انگریزی ادب پر مسیحیت کا غلبہ، پھر یہ محاورات و استعارات ایک مشترک کلچر کے نشو و نما اور طویل و قدیم ارتقا کے نشانات و اشارات بھی ہیں اور اردو کے سیکولر مزاج و کردار کی نشان دہی بھی کرتے ہیں۔ یہاں غیر مسلم ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کے بجائے معروف مسلم اہل قلم کا حوالہ مناسب ہوگا، جنھوں نے اردو زبان و ادب کے سیکولر مزاج کے فروغ میں اپنے قلم کا بخوبی استعمال کیا ہے۔ میر تقی میر کا شعر ہے:

میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو، ان نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا

جب کہ غالب کہتے ہیں:

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

اقبال یاد دلاتے ہیں:

اے آبِ رودِ گنگا، وہ دن ہیں یاد تجھ کو
اترا ترے کنارے، جب کارواں ہمارا

سچائی یہ ہے کہ میر نے کبھی نہ قشقہ کھینچا، نہ دیر میں بیٹھے، نہ انھوں نے اسلام ترک کیا، اس حقیقت کے باوجود قشقہ اور دیر کی علامات انھوں نے محض رواداری کے طور پر استعمال کر کے اردو کے سیکولر مزاج کا اظہار کیا ہے۔ غالب کے شعر میں بھی ترک رسوم کی وضاحت کے لیے ملتوں کے مٹ جانے کا استعارہ اُن کی وسعت قلبی کا ثبوت ہے۔ اسی طرح اقبال کے ترانۂ ہندی کا مذکورہ شعر ان کی وطن دوستی کا سراغ دیتا ہے۔ یہ ایسی مثالیں ہیں جو اردو کے سیکولر مزاج و کردار کا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں۔

بحیثیت مجموعی اردو زبان و ادب میں جیسے سمندر کی لہروں جیسی وسعت ہے، ویسی ہی حیات عشق اور روح پرور غزل کا تہذیبی مزاج اور غنائیت تو شاید ہی کسی دوسری زبان کے ادب میں ملیں گے۔ اسی سے متاثر ہو کر شاعر نے کہا ہے:

وہ کرے بات تو ہر لفظ سے خوشبو آئے
ایسی بولی وہی بولے جسے اردو آئے

عارف عزیز
20-گھائی بجز مجھ بروڈ، بکیا، بھوپال-462001
E-mail:arifazizbpl@rediffmail.com
Mob. No. 9425673760

ظفر آغا کی یاد میں

معصوم مرادآبادی

سینئر صحافی ظفر آغا کے انتقال سے صحافتی اور ملی حلقوں میں سوگ کی لہر ہے۔ وہ ایک تجربہ کار، حساس، سنجیدہ اور سلجھے ہوئے صحافی تھے۔ انھوں نے اپنا کیریر انگریزی صحافت سے شروع کیا تھا مگر ان کا انتقال ایک اردو صحافی کے طور پر ہوا۔ وہ اردو روزنامہ 'قومی آواز' کے مدیر اعلیٰ تھے، جس کا دفتر نئی دہلی میں بہادر شاہ ظفر مارگ پر ای ایکسپریس بلڈنگ سے متصل واقع ہے، جہاں سے 1979 میں انھوں نے 'لنک میگزین' میں بطور انگریزی صحافی اپنا کیریر شروع کیا تھا۔ 45 برسوں پر محیط ان کی صحافتی زندگی میں کئی اتار چڑھاؤ آئے، لیکن انھوں نے صحافتی دیانت داری اور معروضیت کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صحافتی حلقوں نے ان کے انتقال پر گہرے سوگ کا اظہار کیا ہے۔

ظفر آغا کا انتقال 22 مارچ 2024 کی صبح پانچ بجے نئی دہلی کے وسنت کنج میں واقع فورٹس اسپتال میں ہوا، جہاں وہ گزشتہ تین روز سے نمونیہ اور سینے میں انفیکشن کی وجہ سے آئی سی یو میں تھے۔ یوں تو وہ کئی برس سے صحت کے مسائل سے دوچار تھے، لیکن وبائی دور میں کورونا سے متاثر ہونے کے بعد ان کی صحت گرتی چلی جا رہی تھی، تاہم قلم و قرطاس سے ان کا رشتہ برقرار تھا اور وہ کالم نویسی کے ذریعے اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے تھے۔ کبھی کبھی کسی تقریب میں بھی نظر آ جاتے تھے۔ زیادہ دل گھبراتا تو پریس کلب آ جاتے اور پرانے دوستوں سے مل کر خوش ہوتے تھے۔ انھیں اپنے بے تکلف دوستوں کے درمیان رہنا اچھا لگتا تھا۔

ملک میں حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان کی صحافتی زندگی میں بھی کئی اتار چڑھاؤ آئے۔ انھوں نے حالات سے سمجھوتہ کرنے کی بجائے اپنی راہ تبدیل کرنا پسند کیا، کیونکہ وہ اپنے اصولوں کے معاملے میں سخت واقع ہوئے تھے۔ ہندوستان میں 1980-90 کی دہائی سیاسی تبدیلیوں سے عبارت ہے۔ اسی دور میں ایمرجنسی لگی اور اس کے بعد جنتا پارٹی کا دور آیا۔ ایودھیا آندولن بھی اسی کے آس پاس شروع ہوا، جس نے ملک کا سیاسی منظر نامہ بدل کر رکھ دیا۔ صحافت بھی اس کثافت سے محفوظ نہیں رہ سکی۔ ایسے حالات میں ظفر آغا جیسے صحافیوں کے لیے زمین تنگ ہونے لگی، مگر اس نازک دور میں بھی انھوں نے اعلیٰ صحافتی اخلاقیات سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ وہ ان معدودے چند مسلم نوجوانوں میں شامل تھے، جنھوں نے قومی ذرائع ابلاغ میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ ظفر آغا کے علاوہ جو دیگر مسلم نوجوان اس قافلے میں شامل تھے، ان میں کچھ نام یاد آ رہے ہیں۔ فراز احمد ('انڈین ایکسپریس')، عسکری زیدی اور اسامہ ظفر ('ٹائمز آف انڈیا')، ضیا حیدر رضوی ('پیٹریاٹ' اور 'لنک')، فرزند احمد ('انڈیا ٹوڈے')، ایم جے اکبر، سیما مصطفیٰ اور رشید قدوائی ('ٹیلی گراف')، پرویز حفیظ ('ایشین ایج') اور قربان علی ('راوی وار')۔ یہ سب وہ لوگ ہیں جنھوں نے پورے اعتماد کے ساتھ قومی صحافت میں اپنا پرچم بلند کیا۔ ان میں اسامہ ظفر اور فرزند احمد دنیا چھوڑ چکے ہیں جبکہ باقی لوگ کسی نہ کسی صورت میں محاذ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

ظفر آغا کا وطنی تعلق الٰہ آباد سے ضرور تھا، لیکن وہ عرصۂ دراز سے دہلی میں مقیم تھے اور یہیں ان کی صحافتی سرگرمیوں کا محور و مرکز بھی تھا۔ ان کے بڑے بھائی قمر آغا ٹی وی چینلوں کے تجزیہ نگار کے طور پر شہرت رکھتے ہیں۔ ظفر آغا کی صحافتی سرگرمیوں کا جائزہ لینے سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے نہایت سرگرم زندگی گزاری۔ میری ان سے شناسائی کافی پرانی تھی۔ جب بھی ملتے تپاک سے ملتے تھے۔ حالانکہ کورونا کے بعد ملاقاتیں کم ہو گئی تھیں، لیکن ہم دونوں کے درمیان ٹیلی فون کا رابطہ مضبوط تھا۔ مجھے یاد ہے کہ وہ بیماری کے باوجود میرے بیٹے کے ولیمے میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے اور وہاں پرانے دوستوں سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے۔

ظفر آغا نے اپنا صحافتی کیریر 1979 میں پیٹریاٹ گروپ کے 'لنک میگزین' سے شروع کیا تھا۔ بعد کو وہ انگریزی میگزین 'انڈیا ٹوڈے' سے وابستہ ہو گئے اور یہیں ان کی صحافیانہ صلاحیتوں پر شباب آیا۔ انھوں نے ہمیشہ ایک ایماندار اور بے باک صحافی کے طور پر کام کیا۔ 'انڈیا ٹوڈے' سے بوجوہ علاحدگی کے بعد وہ 'سنڈے آبزرور' سے وابستہ ہوئے۔ انھوں نے کچھ عرصے ای ٹی وی (اردو) کے انٹرویو کے پروگرام میں میزبانی بھی کی۔ سیاسی حالات کی تبدیلی کے ساتھ جب آہستہ آہستہ قومی ذرائع ابلاغ میں ان جیسے صحافیوں کے لیے جگہ تنگ ہونے لگی تو انھوں نے اردو صحافت کا رخ کیا۔ حیدرآباد سے شائع ہونے والے روزنامہ 'سیاست' کے سنڈے ایڈیشن میں کالم نگاری سے انھوں نے اردو صحافت میں قدم رکھا۔ 'سیاست' میں وہ کئی برس تک کالم لکھتے رہے۔ اسی کے ذریعے اردو صحافت میں ان کی شناخت قائم ہوئی۔ انھوں نے روزنامہ 'راشٹریہ سہارا'، روزنامہ 'انقلاب' اور 'صحافت' کے لیے بھی مسلسل کالم لکھے۔ 2008 میں روزنامہ 'قومی آواز' کی اشاعت بند ہونے کے کچھ عرصے بعد جب اس کا نیوز پورٹل شروع ہوا تو وہ اس کے پہلے مدیر اعلیٰ بنے۔ اسی دوران انھوں نے مرنال پانڈے کی علاحدگی کے بعد 'نیشنل ہیرالڈ' کی بھی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ 2017 تک وہ نیشنل کمیشن برائے اقلیتی ادارہ جات کے رکن بھی رہے۔

ظفر آغا کی پیدائش 1954 میں الٰہ آباد کے ایک شیعہ زمیندار گھرانے میں ہوئی۔ انھوں نے وہیں یادگار حسینی کالج اور الٰہ آباد یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ وہ بنیادی طور پر انگریزی ادب کے طالب علم تھے اور ان کی خوش قسمتی یہ رہی کہ انھوں نے الٰہ آباد یونیورسٹی میں اردو کے ممتاز شاعر فراق گورکھپوری سے انگریزی ادب پڑھا۔ دوران تعلیم ہی وہ ترقی پسند طلبہ کی تحریک سے وابستہ ہوئے اور تاعمر بائیں بازو کے نظریات پر کاربند رہے۔ وہ دہلی یونین آف جرنلسٹس (ڈی یو جے) میں بھی سرگرم رہے۔ انھوں نے اپنے کیریر کا آغاز گجرات کے شہر سورت میں انگریزی ٹیچر کے طور پر کیا تھا۔ انھیں انگریزی زبان و ادب پر مکمل دسترس حاصل تھی، بعد کو جب انھوں نے اردو میں کالم نگاری شروع کی تو اس پر بھی عبور حاصل کر لیا۔ وہ اردو تہذیب کے پروردہ تھے۔

کئی برس پہلے ظفر آغا دہلی میں سڑک حادثے میں شدید زخمی ہو گئے تھے۔ بازو میں فریکچر کے علاوہ ان کے دونوں گھٹنوں کی چپنیاں چور چور ہو گئی تھیں۔ تقریباً ایک برس صاحب فراش رہے۔ کچھ عرصے بعد اپنے وطن الٰہ آباد میں ایک حادثے کے دوران اپنی بائیں آنکھ سے محروم ہو گئے۔ اس کے بعد وہ مسلسل صحت کے مسائل سے نبرد آزما رہے، لیکن انھوں نے قلم سے اپنا رشتہ برقرار رکھا۔ انھیں سب سے بڑا جھٹکا اس وقت لگا جب 2020 میں ان کی اہلیہ ثمینہ رضوی کووڈ کی وبا کا شکار ہو کر مالک حقیقی سے جا ملیں۔ خود ان پر کافی عرصے کووڈ کے اثرات رہے اور وہ پوری طرح صحت یاب نہیں ہو سکے۔ صحت کے ان ہی مسائل سے لڑتے ہوئے انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ خدا انھیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

معصوم مرادآبادی
Z-103، تاج انکلیو، دہلی-110031
masoom.moradabadi@gmail.com

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریک مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، روڈگران، لال کنواں، دہلی-۶
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکی ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org
Phones: 0091-11-23237722

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006. Editor: ***Dr Ather Farouqui***